مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی

اسلام اور ارتقائی عوامل

اسلام ایک ایسا اصولِ زندگی ہے جو اپنے اندرونی زور اور فطری قوت پر قائم ہے۔ یہ اپنی بقا کے لیے کسی فرد یا قوم کا محتاج نہیں بلکہ ہر قوم خود اپنی بقا کے لیے اسلام کی محتاج ہے۔ اسلام کوئی ایسا یتیم بچہ نہیں جس کو کسی کی سرپرستی کی ضرورت ہو۔ وہ خود ایک ایسی قوت ہے جس کی سرپرستی کی دنیا محتاج ہے۔ اگر اسلام کے کسی حصے کو کوئی قوم اپناتی ہے تو وہ اسلام پر کوئی احسان نہیں کرتی بلکہ وہ خود اسلام کی زیر بار احسان ہو جاتی ہے۔ یوں سمجھیے کہ اگر ہم سانس لیتے ہیں تو ہوا پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ اپنی بقا کے لیے خود ہوا کے احسان مند ہوتے ہیں۔ جس طرح انسان اپنی بقا کے لیے کھانے پینے کا محتاج ہے، اسی طرح اپنی معاشرتی زندگی کی بقا کے لیے اسلام کا محتاج ہے۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ "اسلام اختیار کرو یا ایمان لاؤ" تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ تمھاری بڑی مہربانی ہوگی اگر اسلام کو اختیار کر لو۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ، اسلام سے مفر تو ممکن ہی نہیں۔ اسے تمھیں اختیار کرنا ہی پڑے گا۔ اگر آج ہی اختیار کر لو تو اسلام پر نہیں بلکہ خود اپنے آپ پر مہربانی کرو گے اور اگر تاخیر سے اسے اختیار کرو گے تو یہ تو کرنا ہی پڑے گا لیکن سینکڑوں تجربوں کے بعد اور ہزاروں ٹھوکریں کھانے کے بعد۔ پس اتنی تاخیر کرنے اور اتنی ٹھوکریں کھانے کی زحمت سے بچو اور جو کام تمھیں کل مجبور ہو کر کرنا ہے، وہ آج ہی کر لو۔

ہم غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگر دنیا میں ایک پیغمبر بھی نہ آتا تو فطری عوامل ارتقا انسان کو آخر کار وہیں لے جاتے جہاں سارے انبیا انسے لے جانا چاہا۔ مگر یہ راستہ اتنا طویل ہوتا کہ لمحوں کا کام صدیوں میں ہوتا اور ہلاکت انگیز ٹھوکروں کا لامتناہی سلسلہ خدا جانے کب تک جاری رہتا۔ حضرات انبیا کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انھوں نے اس طویل راستے کو بہت مختصر کر دیا اور انسانیت کو ہزاروں ٹھوکریں کھانے سے بچا لیا، یا ان سے آگاہ کر دیا۔ ورنہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کی طرف تو دنیا کو چار و ناچار آنے سے کوئی مفر ہی نہیں۔ ولہٗ اسلم من فی السمٰوات والارض طوعاً وکرھاً والیہ

یرجعون ۔ ۳/۸۳

شاید یہ شبہ پیدا ہو کہ جب اسلام ایک ایسا ہی ناگزیر اصول زندگی ہے جس سے مفر ممکن نہیں تو دنیا اسے کیوں نہیں قبول کرلیتی ؟ کیوں اِدھر اُدھر بھٹکتی پھرتی ہے ؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ: انسان کی فطرت میں یہ سُقم اور کمزوری بھی ہمیشہ سے موجود ہے کہ وہ "منفعت عاجلہ" کو "منفعتِ آجلہ" پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ فوری فائدہ و لذت کی طرف لپکتا ہے اور دیر سے آنے والے نفع و نقصان سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے ایک عارضی منفعت اسے نقصان پہنچائے گی اور اصلی فائدہ وہی ہے جو عارضی نفع کو قربان کرنے کے بعد حاصل ہو گا لیکن یہ جاننے سمجھنے کے باوجود فطرتِ سقیمہ اسے وقتی نفع کی طرف لے جاتی ہے۔ خواہ انجام کار وہ اس کے لیے مضر و مہلک ہی کیوں نہ ہو ۔ مریض جانتا ہے کہ دوا کی پابندی اور ساتھ ہی ضروری پرہیز اس کی صحت کے لیے لازمی ہے ۔ اس کے باوجود وہ بدپرہیزی کیوں کرتا ہے ؟ چور جانتا ہے کہ چوری بُرا کام ہے حتیٰ کہ اگر چور کے گھر چوری ہو جائے تو وہ چور بھی اپنے چور کو جی بھر کے گالیاں دے گا ۔ اس کے باوجود وہ چوری سے باز نہیں آتا ۔ کیوں ؟ ہر شخص جانتا ہے کہ سچ بولنا چاہیے ۔ پھر وہ صبح سے شام تک جھوٹ کیوں بولتا ہے ؟ فجور اور تقویٰ کا احساس ہر انسان کے اندر موجود ہوتا ہے (فالھمھا فجورھا وتقوٰھا) لیکن فطرتِ انسانی کے اندر یہ سُقم بھی موجود ہے کہ وہ جلد سے جلد حاصل ہونے والی منفعت کی طرف لپکتا ہے خواہ وہ کتنی ہی خلاف تقویٰ ہو ۔ انسان کی اسی فطرت سقیمہ کا ذکر قرآن نے یوں کیا ہے کہ :

کلا بل تحبون العاجلۃ ۵ وتذرون الاٰخرۃ ۔ تم تو عاجلہ کو پسند کرتے ہو اور آخرت کو چھوڑ جاتے ہو ۔

انسان کو جو اختیار دیا گیا ہے وہ اسی لیے ہے کہ وہ اپنی پسند سے اس سقیم فطرت کو ترک کر کے سلیم فطرت کے تقاضوں کو پورا کرے ۔

جس سعید روح میں فطرت سلیمہ کی طرف جتنا زیادہ میلان ہوتا ہے ، اسی قدر جلد وہ اسلام کو قبول کرلیتی ہے اور جس کی فطرت میں سقم کا جتنا زیادہ غلبہ ہوتا ہے ، اسی قدر اسے قبول کرنے میں زیادہ تاخیر کرتی ہے قبول کرنے کا مقصد دراصل یہ ہے کہ اسے پورے کا پورا قبول کر لیا جائے ۔ ادخلوا فی السلم کافۃ۔ اس کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے اور یہ انداز ہرگز نہ اختیار کیا جائے کہ جتنے حصے میں مفادِ عاجل

نظر آئے وہ تو قبول کر لیا جائے اور جہاں منفعتِ عاجلہ کا نقصان نظر آئے، اسے ملتوی کر دیا جائے۔ لیکن ایسی سعید روحیں بہت کم ہوتی ہیں۔ دنیا کی اکثریت ہمیشہ سے "فاسق" ہی رہی ہے۔ ولکن اکثر الناس لایعلمون ..... لایومنون ..... لایشکرون وغیرہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کو اسلام کی طرف تو آنا ہی ہے۔ اس کے سوا چارہ نہیں۔ لیکن بڑی "غیر محسوس" تدریجی رفتار سے آتی جا رہی ہے۔ انفرادی اور بہت محدود چیزوں کا یہ حال ہے کہ چند گھنٹوں میں سورج مشرق سے مغرب تک کی طویل مسافت کر لیتا ہے لیکن ہمیں وہ چلتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔ بچہ ہر روز بڑھتا ہے لیکن اس کا بڑھنا غیر محسوس ہوتا ہے۔ ہم ان چیزوں کی رفتار کو اس طرح محسوس نہیں کر سکتے، جس طرح پرندوں کی رفتارِ پرواز کو محسوس کرتے ہیں۔ قوموں میں جو تبدیلی آتی ہے، وہ صدیوں کے بعد محسوس ہوتی ہے۔ اس کی رفتارِ تغیر ریل کی رفتار کی طرح نہیں دکھائی دے سکتی۔ صدیوں پہلے نظر ڈال کر آج دیکھیں تو کچھ نظر آ جائے گا کہ پہلے فلاں قوم ایسی تھی اور اب ایسی نظر آتی ہے۔

کیا یہ واقعہ نہیں کہ دنیا خود بخود اسلام کی طرف آتی چلی جا رہی ہے؟ کیا ہندوؤں نے عقدِ بیوگان، طلاق، وراثت اور مساوات کے اصول کو تسلیم نہیں کیا؟ کیا عیسائی پادریوں نے رہبانیت کی غلاظت کو ترک کر کے متمدن زندگی اختیار نہیں کی؟ کیا دنیا نے ملوکیت کا خاتمہ نہیں کیا؟ کیا زمانہ دنیا کو جمہوریت کی طرف نہیں لا رہا ہے؟ کیا ستی کی رسم اور غلامی کی لعنت ختم نہیں ہو رہی ہے اور کیا آج دنیا میں معاشی ہمواری کے چرچے غالب نہیں آتے جا رہے ہیں؟ یہ سب کچھ ہوا اور ہو رہا ہے لیکن ایک غیر محسوس تدریجی رفتار سے۔ یہ تدریجی رفتار ایک ایسی گاڑی ہے جو خدا کی مرضی سے چل رہی ہے اور چلتی رہے گی۔ رُک تو نہیں سکتی مگر اسے اپنی طرف پیچھے کھینچا جائے تو رفتار میں فرق پڑ جاتا ہے اور اگر اسے رفتار کی سمت ڈھکیلا جائے تو رفتار میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ اسے رفتارِ زمانہ کہیے یا فطرت کے ارتقائی عوامل ہے یہ بہرحال ایک حقیقت۔ اور اسے سنۃ اللہ کہنا زیادہ بہتر ہے جس میں کوئی "تبدیل و تحویل" نہیں۔

اس سلسلے میں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ الیوم اکملت لکم دینکم کے اعلان خداوندی میں تکمیل دین کا جو اظہار واقعہ کیا گیا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ جہاں تک ہم غور کر سکے ہیں، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ زندگی کی وہ شاہراہ متعین کر دی گئی ہے جس پر چل کر انسان منزلِ مقصود ـــــ دنیا اور آخرت کی خوشگواری ـــــ تک پہنچ جائے۔ اس تکمیل کا یہ مطلب نہیں کہ مستقبل میں جو علمی، ثقافتی اور

سائنسی ترقیات ہونے والی ہیں، ان میں رکاوٹ پیدا کی جائے اور فطرت کے ارتقائی عوامل کو نظرانداز کر دیا جائے یا زندگی کی تمام جزئیات کو اسی مقام پر رکھا جائے جہاں وہ اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھیں۔ یہ ناممکن ہے کہ اسلام قبول کرنے والے ممالک واقوام وہی رہن سہن، وہی غذا و لباس، وہی علاج و دوا، وہی طریق جنگ و صلح، وہی اسلحہ یا سواری، اور وہی ثقافت اختیار کر کے اسی پر ہمیشہ قائم رہیں اور اس میں کوئی ارتقائی تبدل و تغیر نہ ہونے دیں۔ اگر اکملت لکم دینکم کا یہ مفہوم ہوتا تو اسلام کے متعلق ایک آفاقی، جہانی اور عالمگیر دائمی دین ہونے کا دعویٰ درست نہ ہوتا۔ اسلام کسی ارتقائی رفتار میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتا۔ وہ ہر ترقی کو قبول کرتا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ مگر اسے بے لگام نہیں چھوڑتا۔ وہ اسے اخلاقی قدروں سے ہم آہنگ کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہر ترقی میں خداترسانہ عدل، مساوات، ہمدردی، اخلاص اور ہمواری پیدا کر کے انسانیت کے تقاضوں کی تکمیل چاہتا ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام کوئی جامد مذہب نہیں۔ ایک متحرک دین ہے جو علم، عقل اور تجربے کے ہر ارتقا کا ساتھ دیتا ہے اور اس کو انسانیت کے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھنا چاہتا ہے۔

ایک معاشرہ اپنے دور میں بشری امکانات کے مطابق جتنی عادلانہ ترقی کر سکتا تھا، وہ عہدِ نبوی میں پورا ہو گیا اور ایسی شاہراہ پر چل پڑا جو تمام ارتقائی امکانات کو اپنے جلو میں لیے ہوئے تھی۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ مستقبل کے تمام ارتقائی منازل بھی طے ہو چکی تھیں۔ بلکہ قرآن کا ارشاد تو یہ ہے کہ:

فاصبر ان وعد الله حق ج فاما نرینك بعض الذی نعدهم او نتوفینك فالینا یرجعون۔ ۷۷/۴۰

پس تم صبر سے کام لو۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو ہم تمھیں بعض وہ باتیں دکھائیں گے جن کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے یا تمھیں وفات دیدیں گے پھر ان سب کو ہماری ہی طرف لوٹایا جائے گا۔

نیز ارشاد ہوا:

فاما نذهبن بك فانا منهم منتقمون ۵ او نرینك الذی وعدنهم فانا علیهم مقتدرون ۵ ۴۱، ۴۲/۴۳

پھر اگر ہم تمھیں (دنیا سے) لے جائیں تو ان (منکرین) سے ہم انتقام لیں گے۔ یا ہم تمھیں وہ دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ہم ان پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

یہ بھی ارشاد ہوا:

یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت وعندہ ام الکتب ○ وان ما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک فانما علیک البلغ وعلینا الحساب ○ (۱۳ / ۳۹ و ۴۰)

اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا اور باقی رکھتا ہے۔ اور "ام الکتاب" اسی کے پاس ہے۔ اور ہم تمھیں بعض وہ چیزیں دکھا دیں گے جن کے وعدے وعید ان (منکرین) سے کیے ہیں یا تمھیں وفات دے دیں گے کیونکہ تمھارے ذمے پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمے حساب کتاب ہے۔

ان تینوں آیتوں کا ماحصل ایک ہی ہے یعنی جن چیزوں کا وعدہ اللہ نے کیا، وہ سب کی سب حضورؐ کی زندگی میں پوری نہیں ہوئیں۔ بعض حضورؐ کے بعد پوری ہوئیں۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ بعض باتیں آج پوری ہو رہی ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ بعض چیزیں آئندہ پوری ہوتی رہیں گی۔ اس کے باوجود قرآن کا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ آج ۱۰ھ ہجری کی نویں ذی الحجہ کو ہم نے دین مکمل کر دیا۔ دین کی تکمیل کا یہ مطلب نہیں کہ مستقبل کی تمام جزئیات بھی آج ہی پوری ہوگئیں۔ اس کا مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ تکمیل کی شاہراہ متعین ہوگئی اور اس دور میں امکان کی آخری حد تک جتنی عملی تکمیل وتشکیل ہو سکتی تھی وہ کر دی گئی۔ اس کے بعد کے تمام مراحل کو ارتقائی عوامل کے حوالے کر دیا گیا۔ ارتقائی عوامل تو بہرحال اپنا کام کرتے رہیں گے اور اسے کوئی روک نہیں سکتا لیکن اگر اس شاہراہ پر چلتے رہے تو وہ سارے ارتقائی نتائج خود بخود ہم آہنگ ہوتے رہیں گے اور منزل جلد قریب آجائے گی۔ لیکن اگر اس شاہراہ سے ہٹے تو منزل دور ہو جائے گی اور اس تک پہنچنے سے پہلے ہزاروں ٹھوکریں کھانی پڑیں گی۔

شاہراہ اور ارتقائی عوامل کی ہم آہنگی کی ایک مثال لیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدیؓ بن حاتم سے فرمایا کہ: اے عدی عن قریب وہ وقت آنے والا ہے جب یہ کمزور مسلمان دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن جائیں گے اور راستے ایسے پُرامن ہو جائیں گے کہ ایک عورت تنہا سفر حج کرے گی اور اسے لٹ جانے کا کوئی خطرہ نہ ہوگا اور قوم اتنی خوش حال ہوگی کہ لوگ اپنے گھروں سے صدقے کا سونا چاندی لے کر نکلیں گے اور صدقہ لینے والا کوئی نہ ملے گا۔ یہ تینوں باتیں حضورؐ کے عہد میں پوری نہیں ہوئیں۔ ان کی تکمیل حضورؐ کے بعد ہوئی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عہد رسالت میں دین کی تکمیل نہیں ہوئی۔ تکمیل تو ہوئی لیکن اس طرح کہ حضورؐ نے نظام سیاست اور نظام معاش کی جس شاہراہ پر امت کو لا کھڑا کیا اس کا فطری نتیجہ وہی تھا جس کی حضورؐ نے پیش گوئی فرمائی۔ دوسرے لفظوں میں جتنا کچھ اس

عہد میں ہو سکتا تھا وہ ہوا اور باقی کو ارتقائی عوامل کے حوالے کر دیا گیا۔

قرآن کریم میں ہے :

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ۔

جو شوہر اپنے بچے کی مکمل رضاعت چاہے تو مائیں کامل دو سال دودھ پلائیں۔

دودھ پلانے کا جو معروف فطری طریقہ آج تک رائج ہے، اسے سب جانتے ہیں۔ لیکن عہد نبوت میں دودھ پلانے کا وہ طریقہ رائج نہ تھا جو اب نکلا ہے۔ اس وقت چسنی لگی بوتل سے دودھ پلانے کا طریقہ رائج نہ تھا۔ اگر ماں کسی عذر کی وجہ سے اپنا دودھ نہیں پلاتی اور بوتل سے پلا کر بچے کی پرورش عمدہ طریقے سے کرتی ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ماں قرآنی حکم کی خلاف ورزی کر رہی ہے کیونکہ وہ اپنا دودھ نہیں پلاتی۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ جہاد و قتال میں ٹینک اور مشین گن کا استعمال نہ کتاب اللہ میں ہے نہ سنت رسول اللہ میں۔ لہذا ان جدید ہتھیاروں کا استعمال کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ قرآن نے بقدر استطاعت قوت و شوکت کا سامان اکٹھا کرنے کا حکم دیا ہے

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ......

اپنے مقدور بھر قوت و طاقت کے سامان اور پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھو۔

طاقت کی جو شکل عہد نبوی میں ممکن تھی وہ مہیا کی گئی اور مستقبل میں تیار ہونے والے ہتھیاروں کو ارتقائی عوامل کے حوالے کر دیا گیا۔ یہاں یہ نہ خیال کیجیے گا کہ ہتھیار وغیرہ تو دنیا کی باتیں ہیں۔ ان کا دین سے کیا تعلق؟ استغفر اللہ۔ جہاد اسی طرح ایک اعلیٰ عبادت ہے جس طرح روزہ نماز اور دوسری عبادات و مناسک ہیں۔ جس طرح کتب علیکم الصیام ہے اسی طرح کتب علیکم القتال بھی ہے۔ بلکہ قتال تو ایک ایسی عبادت ہے، جس کے لیے غزوۂ خندق میں چار وقت کی نمازیں قضا کر دی گئیں۔ اور جس کے لیے غزوۂ بدر میں بہت سے صحابہ نے رمضان کے روزے افطار کر لیے۔ قتال کے لیے سامان حرب ایسی ہی شے ہے جس طرح نماز کے لیے وضو۔ نماز کے لیے وضو ضروری ہے اس لیے پانی کا انتظام ایسی ہی عبادت ہے جس طرح نماز کے لیے مسجد کی تعمیر۔ آج تعمیر مسجد کے لیے لوہے اور سیمنٹ کی جدید دریافت سے استفادہ کرنا اگر عبادت ہے تو وضو کے لیے بورنگ کے جدید طریقے

کو کام میں لانا بھی عین عبادت ہے بلکہ ستر پوشی کے لیے کپڑے بنانے کے جدید کارخانے کا شمار بھی عبادت ہی میں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ تعمیرات کی جدید تکنیک، بورنگ کے موجودہ طریقے، فلشنگ سسٹم، نو ایجاد اسلحہ سب کے سب غیر مسلموں کے ایجاد کردہ ہیں۔ ہمارا موجودہ فوجی نظام، ہمارا حالیہ طریق انتخاب اور ووٹنگ کا انداز سب کچھ اہل کفر کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ کتاب وسنت میں ان کا نشان نہیں ملتا مگر انھیں اسلامی مقاصد کے لیے اپنانے کے بعد ہم خود غیر مسلم یا کافر نہیں ہو گئے۔ مسلمان ہی رہے۔ آج بہت سے لوگ احادیث کی طب نبوی کو چھوڑ کر غیر مسلم ملک میں (مثلاً لندن) جا کر علاج کراتے ہیں جہاں ادویہ اور آلات جراحی غیر مسلموں کے تیار کردہ، معالج غیر مسلم، ہسپتال غیر مسلم، ملک اور قوم غیر مسلم، طریق علاج غیر مسلموں کے۔ ان تمام باتوں کے باوجود وہاں سے صرف اپنی جان ہی نہیں ایمان بھی صحیح سلامت لے کر واپس آجاتے ہیں۔ غیر مسلموں کی بنائی ہوئی گھڑیاں خانہ خدا میں آویزاں کرتے ہیں۔ غیر مسلموں کے بنائے ہوئے جہاز پر سفر حج کو جاتے ہیں۔ غیر مسلموں کے ایجاد کردہ پریس میں قرآن مجید چھپواتے ہیں۔ غیر مسلموں کے تیار کردہ لاؤڈ اسپیکر پر خطبہ وتفسیر نشر کرتے ہیں۔ غیر مسلموں کی بنائی ہوئی عینک لگا کر تلاوت قرآن کرتے ہیں۔ غرض اہل کفر کی ان ایجاد کردہ چیزوں کا کتاب وسنت میں اگرچہ ذکر نہیں لیکن ہم اگر ان سے صحیح فائدہ اٹھاتے ہیں تو مسلمان ہی رہتے ہیں۔ کافر یا بدعتی نہیں ہو جاتے۔ کیوں؟ اس لیے کہ عہد نبوت میں جو شاہراہ ہمارے لیے متعین کی گئی ہے، اس میں آئندہ وجود میں آنے والی چیزوں کو ارتقائی عوامل کے سپرد کر دیا گیا ہے۔

اسلام کا منشا یقیناً یہی ہے کہ دنیا سے ملوکیت اور غلامی ختم ہو جائے اور اس نے ہمیں ایسی ہی شاہراہ پر ڈالا ہے کہ جو چیز عہد نبوت میں غلامی کی طرح ختم نہ ہو سکی وہ آگے چل کر خود بخود ختم ہو جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر خدائی وعدے یا ہر خدائی فیصلے یا ہر خدائی سنت کا عہد نبوت میں پورا ہونا ضروری نہیں اور نہ یہ تکمیل دین کا مطلب ہے۔ تکمیل دین صرف ایک شاہراہ کا تعین ہے اور اسی شاہراہ کا تقاضا ہے کہ جو کچھ عہد رسالت میں پورا نہ ہو سکا، اس کو ارتقائی عوامل کے سپرد کر دیا گیا۔

مگر جس چیز نے ہم مسلمانوں کو بہت پیچھے ڈال دیا وہ ہماری غفلت ہے۔ یہ غفلت کئی طرح کی ہے، پہلی غفلت یہ ہوئی کہ جس چیز کے خاتمے کو اسلامی شاہراہ نے ارتقائی عوامل کے حوالے کیا تھا اسے ختم کرنے کی بجائے ہم نے اپنا لیا۔ اسلام ملوکیت اور نسلی جانشینی کو ختم کرنا چاہتا ہے مگر مسلمانوں نے اسے ختم کرنے کی بجائے اپنے سینے سے لگا لیا۔ بادشاہی گدیوں میں بھی نسلی جانشینی چل پڑی اور روحانی خانقاہوں

ہیں بھی۔ اسلام غلامی کو ختم کرنا چاہتا تھا مگر ہم نے اسے ایک مستقل ادارے کا مقام دے دیا۔ اسلام ہر طرح کے طبقاتی تفاوت کو کم سے کم کر کے مساوات قائم کرنا چاہتا تھا مگر ہم نے تفاوت کو عین اسلام قرار دے دیا۔ اسلام ایسی معاشی ہمواری چاہتا ہے کہ کوئی زکات لینے والا نہ رہے مگر ہمارے ہاں نظام زکات کا یہ مفہوم لے لیا گیا کہ ایک طبقہ دولت مندوں کا رہے اور دوسرا ان شبینہ کا محتاج رہے تاکہ دولت مند غریبوں کو خیرات دے دے کر ثواب دارین حاصل کرتے رہیں۔ اس کے پہلو بہ پہلو دوسری غفلت یہ ہوئی کہ جن چیزوں کو اسلام نے ارتقائی عوامل کے سپرد کیا تھا، ان کے وجود میں آنے کے بعد ہمارے معاشرے نے انھیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اگر قبول کیا بھی تو بہ مجبوری اور دنیا کے بہت آگے نکل چکنے کے بعد۔ ابھی کل کی بات ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے خلاف بعض حضرات نے فتوے دیے تھے اور اب بغیر لاؤڈ اسپیکر کے کوئی خطبہ ہی نہیں ارشاد فرماتے۔

ہم سے ایک غلطی اور بھی ہوئی ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی نامسلمان قوم نے کسی اسلامی قدر کو عقل و تجربہ سے مجبور ہو کر اپنا لیا تو ہم اس اسلامی جز کو بھی کفر ہی سمجھنے لگے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی قوم نے اس اسلامی قدر کو اپنے پورے نظام کفر کا ایک حصہ بنا لیا اور اس سے کفر ہی کی تائید یا ترقی کا کام لیا۔ لیکن اگر ہم اس اسلامی حصے کو اس نظام کفر سے واپس لے لیں تو یہ پورے نظام کفر کی تائید نہیں ہوگی۔ عین اسلامی ہی عمل ہوگا۔ کیونکہ جو اسلامی قدر ہماری غفلت سے متروک ہو گئی تھی اس کو ہم واپس لے رہے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی آگے یوں کہیے کہ اگر خالص کافرانہ نظام کے کسی جز کو ہم قبول کر کے اس سے اسلامی کام لیں، اور اسلامی مقاصد کو پورا کریں تو وہ بھی عین اسلام ہو جائے گا۔ جنگ کے وقت خندق کھودنے کا طریقہ خالص کفار عجم کا ایک طریقہ تھا۔ اسلام میں اس کا کوئی حکم موجود نہ تھا لیکن غزوۂ احزاب کے موقعے پر حضورؐ نے سلمان فارسیؓ کی رائے سے اپنا لیا اور یہ نہ فرمایا کہ یہ طریقۂ جنگ غیر مسلموں کا طریقہ ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔ خون بہا اور قسامت بھی جاہلیت کا رواج تھا اور حضورؐ نے اسے اسلام کا جز بنا لیا۔ غرض یہ ہے کہ حکمت کی ہر بات اور مفاد عامہ کا ہر کام اسلام ہی ہے خواہ وہ اسلام سے پہلے کا ہو یا تکمیل دین کے اعلان کے بعد کا ہو الحکمۃ ضالۃ المؤمن (حکمت مومن کی گم شدہ دولت ہے)۔ دیکھنا صرف یہ ہوگا کہ اس سے اسلامی مقاصد پورے ہوتے ہیں یا نہیں؟ عسکری نظام ہو یا اقتصادی و معاشی نظام تعلیمی نظام ہو یا ملکی نظام۔ کچھ بھی ہو اور کہیں بھی ہو اگر وہ ارتقائی عوامل کا نتیجہ ہے تو ہمارے لیے مفید ہے اور

اسلامی مقاصد اس سے پورے ہوتے ہیں تو اسے قبول کر لینا کوئی کفر نہیں۔

اسلام کوئی فرقی مذہب نہیں اور نہ یہ مسلمان قوم کی کوئی مناپلی ہے۔ جو جتنے اسلامی حصے پر عمل کرے اتنے حصے میں وہ در اصل مسلم ہوگا اگرچہ وہ اپنی بدبختی کی وجہ سے اس کا اقرار نہیں کرتا بلکہ اسلام کی ـــــ زیادہ صحیح لفظوں میں مسلمانوں کی ـــــ دشمنی میں سرگرم رہتا ہے۔ یہ تقریباً ایسا ہی ہے جیسے بے شمار مسلمان کفر و شرک کی بہت سی رسموں میں گرفتار ہیں مگر اس کا اقرار نہیں کرتے بلکہ تاویلات کرتے ہیں۔ آج کون سے ملک کے مسلمان ہیں جہاں کے معاشی نظام میں سودی کاروبار جاری نہیں؟ ربا اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اس عملی اعلانِ جنگ کے باوجود جس طرح ہم مسلمان ہی کہے جاتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی اسلامی اقدار کو اپنانے کے باوجود غیر مسلم اپنے آپ کو غیر مسلم ہی کہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج نہ کہیں پورے کا پورا اسلام موجود ہے نہ پورے کا پورا کفر۔ ہر نظامِ اسلامی میں کچھ کفر بھی دخیل ہے اور ہر نظامِ کفر میں کچھ اسلام بھی شامل و داخل ہے۔ ع ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مسلماں ہوگیا۔ اہل کفر نے اسلامی اقدار کو اپنایا تو وہ اوپر سے اوپر ہوتے گئے اور ہم نے کافرانہ و مشرکانہ حصے قبول کیے تو نیچے سے نیچے چلے گئے۔ ہماری غفلت و نادانی یہ بھی ہے کہ اہل کفر نے جن اسلامی قدروں اور مفید چیزوں کو اپنا لیا (جن کو ہم نے ترک کر دیا تھا) ان کو واپس لینے کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کفر کو اپنا لینے کا ہم معنی ہے حالانکہ وہ ایسی اسلامی قدریں ہیں جو ارتقائی عوامل کا نتیجہ ہیں ع

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

مسلم ثقافت ہندوستان میں

(مولانا عبد المجید سالک)

اس کتب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے برعظیم پاک و ہند کو گذشتہ ایک ہزار سال کی مدت میں کن برکات سے آشنا کیا اور اس قدیم ملک کی تہذیب و ثقافت پر کتنا وسیع اور گہرا اثر ڈالا۔ قیمت: ۱۲ روپے

ملنے کا پتہ

سیکرٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ۔ لاہور